AL-MISBAH
RESEARCH JOURNAL
Recognized in "Y" Category Journal by HEC
ISSN (Online): 2790-8828. ISSN (Print): 2790-881X.
Volume IV, Issue III
Homepage: https://reinci.com/ojs3308/index.php/almisbah/index
Category Y
Link:https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089437#journal_result

Article: وحی اور اس کی حفاظت سے متعلق مستشرقین کے نظریات وافکار کا جائزہ

Authors & Affiliations:
[1] **Saeed Abdullah**
Ph.D. Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad.
[2] **Prof Dr Mustafeez Ahmad Alvi**
Professor, Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.

Email Add:

ORCID ID: Orcid ID: 0000-0002-9047-3391

Published: 2024-07-16

Article DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.14497961

Citation: Saeed Abdullah, and Prof Dr Mustafeez Ahmad Alvi. 2024. "وحی اور اس کی حفاظت سے متعلق مستشرقین کے نظریات و افکار کا جائزہ: A REVIEW ORIENTALIST THOUGHT REGARDING REVELATION AND ITS PRESERVATION". AL MISBAH RESEARCH JOURNAL 4 (03):1-14. https://reinci.com/ojs3308/index.php/almisbah/article/view/277.

Copyright's info: Copyright (c) 2023 AL MISBAH RESEARCH JOURNAL

CC BY

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

ASIAN Research Index
INTERNATIONAL Scientific Indexing
EuroPub
Academic Resource Index ResearchBib
BASE
DRJI
OCLC WorldCat
ROOTINDEXING
Google Scholar

Published by Institute of Culture and Ideology, Islamabad.
+92-313-305-2561, +92-300-030-9933
www.almisbah.info
REINCI
Purifying Culture & Ideology with Divine Guidance

AL-MISBAH
RESEARCH JOURNAL
Vol.4, No.3, Sep-2024
Page no: 1-14

وحی اور اس کی حفاظت سے متعلق مستشرقین کے نظریات وافکار کا جائزہ

A REVIEW ORIENTALIST THOUGHT REGARDING REVELATION AND ITS PRESERVATION

*Saeed Abdullah
**Prof Dr Mustafeez Ahmad Alvi

ABSTRACT

Human guidance is not solely reliant on reason and observation; rather, revelation is an essential necessity for proper guidance. The need for revelation arises precisely in instances where reason and senses cannot assist. Therefore, it is not necessary for every aspect of revelation to be comprehensible through reason alone. Just as determining the color of an object does not require reason but is a matter of direct perception, similarly, the knowledge of religious beliefs is derived from revelation rather than pure intellect. Relying solely on reason for understanding these beliefs is not appropriate. Consequently, if one has faith in the complete wisdom of Allah, it must also be acknowledged that the comprehensive system established for guiding His servants is termed revelation. Thus, revelation is not just a religious belief; it is also a rational necessity, and denying it is essentially rejecting divine wisdom. The Orientalist approach in this regard needs a special focus, liable to evaluated in the light of Qur'an and Sunnah. The following research discuss the same. But it is a strange thing that in all of them, only in relation to the revelation revealed to the Holy Prophet, PBUH the Orientalists raised various kinds of objections. In which the revelation was the unconsciousness of the Prophet PBUH, the conditions of its revelation were epileptic, the spiritual events were fallacies and the Qur'an has been described as a book containing the teachings of Judaism and Christianity. Their intention with such objections is to make Muslims doubt the truth and authenticity of divine revelation.

Keywords: Revelation, Quran, Sunnah, Thought, Wisdom, objections

تعارف:

خالق کائنات میں انسانی تخلیق کے ساتھ تین چیزیں مزید ایسی پیدا کی ہیں جو انسان کے لیے علم کا ذریعہ بن سکیں ان میں اولاً انسانی حواس خمسہ، ثانیاً عقل انسانی اور ثالثاً وحی الٰہی شامل ہیں۔ انسانی زندگی سے متعلق بنیادی معلومات کا حصول، حواس خمسہ کے ذریعے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی اشیاء کا علم انسان اپنی عقل کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ علم کے بہت سے میدان ایسے ہیں جو انسانی حواس و عقل کی رسائی سے دور ہیں جن کا علم انسان کو وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔ علم کے ان تینوں ذرائع میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی حدود اور دائرہ کار متعین ہے اور حدود سے باہر وہ ذرائع انسانی معلومات کے حوالے سے قاصر ہیں۔

علم کے مختلف دائرے ہیں، جہاں انسان کے حواس خمسہ کام آتے ہیں۔ حواس کے ذریعے ہم بہت سی چیزیں جان سکتے ہیں، لیکن ان کی

* Ph.D. Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad.
** Professor, Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad.

رسائی محدود ہے۔ جب حواس کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے، وہاں عقل انسانی اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ عقل کی مدد سے ہم بہت سی گتھیوں کو سلجھا سکتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک حد تک محدود ہے۔

ایسی بہت سی حقیقتیں ہیں جن تک نہ حواس پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی عقل۔ ان معاملات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے لیے ایک خاص ذریعہ مقرر فرمایا ہے، جسے وحی کہتے ہیں۔ وحی اللہ کا پیغام ہے جو وہ اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ انبیاء کو منصب نبوت عطا کیا جاتا ہے، اور انہی پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے، جو انسانیت کے لیے روشنی اور ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے۔ وحی کا یہ نظام انسان کے ان تمام سوالات کے جوابات فراہم کرتا ہے، جنہیں عقل اور حواس سمجھنے سے قاصر ہیں، اور یوں یہ اللہ کی خاص رحمت اور رہنمائی کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے۔

وحی کے معانی و مفاہیم:

عربی لغت میں وحی کے معنیٰ الأعلام في خفاء ہیں[1] جس کا مفہوم ہے چپکے سے بتا دینا، یا لطیف اشارہ کرنا، یا مخفی طور پر انتہائی سرعت سے کسی کو کوئی بات یا پیغام بھیجنا یا پھر دل میں کوئی بات ڈال دینا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس فرشتہ حاضر ہو کر اس طرح پیغام خداوندی پہنچاتا تھا کہ لوگوں کو پتہ تک بھی نہیں چلتا تھا۔ اسی لیے وحی کو "الاشارۃ السریعۃ" کہا جاتا ہے یعنی جلدی سے اشارہ کر دینا اور بتا دینا۔[2]

امام طبری وحی کے لغوی معانی کے حوالے سے کہتے ہیں: "الوحی هو القاء الشئی الی الغیر" [3] "وحی کا مطلب کسی چیز کو دوسری چیز میں ڈال دینا ہے" جب کہ راغب اصفہانی نے وحی کے چار معانی اور طریقے بیان کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> "وذلک یکون بالکلام علی سبیل الرمز والتعریض، وقد یکون بصوت مجرد عن الترکیب، وباشارة ببعض الجوارح، وبالكتابة".[4]
>
> "وحی سے مراد کوئی بات بطور رمز و تعریض کرنا، محض آواز کا ہونا جس میں کوئی ترکیب نہ ہو، کسی انسانی عضو کے ذریعے اشارہ کرنا یا تحریر کے ذریعے کلام"

اصطلاحی لحاظ سے وحی کا مفہوم علامہ زرقانی نے یوں بیان کیا ہے:

> "ان یعلم الله من اصطفاه من عباده کل ماارادااطلاعه علیه من الوان الهداية والعلم لکن بطریقه سریه خفة غیر معتادة للبشر"[5]
>
> "وحی سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا اپنے بندوں میں سے منتخب کردہ بندوں کو علم و ہدایت کے رنگوں سے اس انداز میں روشناس کرنا کہ جو انتہائی خفیہ ہو اور انسانی عادات کے غیر مطابق ہو"

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں وحی کی اصطلاحی تعریف یوں کی جائے گی کہ اصطلاح میں وحی کا اطلاق صرف اس کلام پر کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہو، چاہے وہ فرشتے کے ذریعے ہو یا کسی اور واسطے سے، اس میں ظاہری اسباب اور عادی امور کا اندیشہ و دخل نہ ہو، یہ وحی نبوت ہے جو کہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔

نزول وحی کی صورتیں:

علامہ ابو القاسم السہیلی نے وحی کی سات صورتیں بیان کی ہیں:

۱۔ وحی منامی؛ یعنی خواب میں وحی کا آنا یہ صورت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں مذکور ہے جو بخاری کے باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری حدیث ہے کہ:

"اول مابدئ به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة في النوم"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی کا آغاز، نیند کی حالت میں رویائے صالحہ سے ہوا"

۲۔ نفث في الروع؛ یعنی دل میں بات ڈالنا جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

(("ان روح القدس نفث في روعی ان نفسالن تموت حتیٰ تستکمل اجلها وتستوعب رزقها فاتقوالله واجملو في الطب)) [٦]"

"کہ فرشتے نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اس کا وقت مکمل نہ ہو جائے اور اس کی روزی ختم نہ ہو جائے"

۳۔ صلصلۃ الجرس؛ یعنی وحی گھنٹی کی آواز کی صورت میں آئے جس کی صورت حدیث عائشہ میں مذکور ہے جو کہ باب کیف کان بدء الوحی الخ کی دوسری حدیث ہے:"احیاناً یا تینی مثل صلصلة الجرس""مجھے بعض مواقع پر)وحی آئی گھنٹی کی آواز کی مانند"

۴۔ تمثل ملک: اس سے مراد فرشتے کا صورت انسانی میں متمثل ہو کر گفتگو کرنا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت، دوسری حدیث میں ذکر ہے: "واحیاناً یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی"" مجھے (بعض مواقع پر) یوں وحی آئی کہ فرشتہ مرد کی صورت ظاہر ہوا میرے ساتھ کلام کیا۔"

۵۔ ظہور جبرائیل: اس صورت سے مراد جبرائیل امین علیہ السلام کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح نمودار ہوتے کہ ان کے چھ سو پر تھے اور ان سے جو ہر و یاقوت ٹپک رہے ہوتے تھے۔

۶۔ براہ راست کلام خداوندی: وحی کی ایک صورت اللہ رب العزت کا بیداری میں نبیؐ سے ہم کلام ہونا بھی ہے جیسا کہ معراج کی شب میں ہوا اور خواب کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے۔

۷۔ وحیٔ اسرافیل؛ جبرائیل علیہ السلام سے پہلے آپؐ کے پاس حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لے کر آیا کرتے تھے۔ [۷]

بعض اہل علم کے ہاں وحی کی چار اقسام ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حامل وحی کی صفات و خصوصیات ہیں اور وہ تمام مذکورہ صورتوں میں شامل ہیں۔[۸] علاوہ ازیں حافظ ابن قیم نے بھی مراتب وحی کے عنوان کے تحت وحی کی آٹھ اقسام و مراتب ذکر کیے ہیں جو مذکورہ بالا اقسام کے ساتھ ملتی جلتی ہیں جن کا تذکرہ ما قبل میں تفصیلاً ہو چکا ہے۔[۹]

نزول اور تحمل وحی سے متعلق مستشرقین کے نظریات:

مستشرقین نے نزولِ وحی کی کیفیت اور حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے بے بنیاد الزامات کے ذریعے وحی کی حقیقت اور حجیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ ابتدا اور وسطی ادوار کے مستشرقین بے دریغ الزامات لگانے میں کسی بنیاد کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ تاہم، عصرِ حاضر کے مستشرقین نے اپنے انداز میں بظاہر مہذب رویہ اختیار کرتے ہوئے قرآن، حدیث، سیرت یا تاریخ کی کتابوں میں معمولی اشارے تلاش کر کے انہیں اپنے بے جا اعتراضات کی بنیاد بنایا ہے۔ یہ طرزِ عمل ایک عام فہم ذہن کو بھی حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کی عظمت کو مجروح کرنے کے لیے کن باتوں کو بنیاد بناتے ہیں۔

آسٹریا کے معروف مستشرق الوئس سپرنگر (Aloys Sprenger) کی کتاب *The Life of Mohammad: From Original Sources*، جو اس نے برطانوی دور کے بھارت میں لکھی، اس کی مثال ہے۔ سپرنگر نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے خواب میں فرشتوں کو دیکھنے، خوشخبری سنانے، اور نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی تجویز کرنے کے واقعے کو حضرت آمنہ کی دماغی کمزوری اور مرگی کے عارضے سے تعبیر کیا۔ یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے اور ان واقعات کی روحانی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی دانستہ کوشش ہے۔

اسی طرح مستشرقین نے نبی کریم ﷺ کے بچپن میں پیش آنے والے "واقعۂ شق صدر" کو بھی ہدفِ اعتراض بنایا ہے۔ روایت کے مطابق، جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، ایک دن آپؐ کے رضاعی بھائی نے آکر اطلاع دی کہ دو سفید لباس والے افراد نے آپ ﷺ کو زمین پر لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا ہے۔ حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر فوراً آپؐ کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ آپؐ کچھ نڈھال ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ دو سفید لباس والے افراد آئے، انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اس میں سے کچھ نکالا۔ یہ واقعہ، جو اسلامی تاریخ میں شق صدر کے نام سے معروف ہے، دراصل نبی اکرم ﷺ کی طہارتِ قلب، روحانی بلندی، اور نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاص تیاری کی علامت تھا۔ مستند اسلامی روایات میں یہ واقعہ معجزہ کے طور پر بیان ہوا ہے جو حضور ﷺ کی عظمت اور اللہ کی خاص عنایت کا مظہر ہے۔ لیکن مستشرقین نے اسے منفی رنگ میں پیش کر کے نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی اور اسے غیر ضروری تاویلات سے آلودہ کیا۔ یہ اعتراضات اس حقیقت سے مکمل طور پر غافل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت ہر طرح کی کمزوریوں اور عیوب سے پاک تھی، اور آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو انسانیت کے لیے کامل رہنمائی کا نمونہ ہے۔ واقعاتِ سیرت کو غلط انداز میں پیش کرنے کی یہ کوششیں محض بغض و عناد کا شاخسانہ ہیں، جنہیں علمی اور تاریخی لحاظ سے کبھی قبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔[۱۰]

شق صدر کا واقعہ سیرت اور احادیث کی اکثر مستند کتب میں بیان ہوا ہے، اور واقعۂ معراج سے متعلقہ احادیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ تاہم، مستشرقین نے اس واقعے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور اسے ایک معجزہ ماننے کے بجائے غلط تاویلات کے ذریعے مرگی کا دورہ قرار دیا ہے۔ مشہور انگریز مستشرق رینالڈ نکلسن (Reynold Nicholson) نے اپنی کتاب *A Literary History of the Arabs* میں، اور ولیم میور (William Muir) نے اپنی کتاب (1891) *Life of Muhammad* میں اس واقعے کو معجزہ ماننے کے بجائے دعویٰ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی کا دورہ ہوا تھا۔ ان کے مطابق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا محسوس ہوا جیسے آپؐ کا سینہ چاک کیا گیا ہو۔

مزید یہ کہ ان مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نے بھی یہی سمجھا کہ آپؐ کو مرگی کا دورہ ہوا ہے۔ اس دعوے کو تقویت دینے کے لیے انہوں نے احادیث کے ایک ٹکڑے کا حوالہ دیا، جس میں بیان ہوا ہے کہ واقعے کے بعد آپؐ کا رنگ متغیر تھا اور آپؐ نڈھال محسوس کر رہے تھے۔ یہ تاویلات دراصل مستشرقین کی ان کوششوں کا حصہ ہیں جو معجزات اور اسلامی تعلیمات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ تاہم، اسلامی روایت میں یہ واقعہ آپؐ کے قلب کو پاک کرنے اور روحانی عظمت کی تیاری کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر سمجھا جاتا ہے، اور اس کا تعلق کسی بیماری یا جسمانی کمزوری سے نہیں بلکہ نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے لیے تیاری سے ہے۔[۱۱]

جس کے الفاظ یہ ہیں۔:"قالت وقال في ابوه يا حليمة لقد خشيت ان يكون هذا الغلام قد اصيب فالحقيه باهله-"[12]

"حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہانے کہا کہ اس کے باپ نے مجھ سے کہا کہ اے حلیمہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے لہذا بہتر یہی ہے کہ آپ اس کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیں"

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اس عبارت سے کیسے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی زدہ قرار دیا۔ چنانچہ اس حوالے سے سب سے پہلے یہ مفہوم ڈاکٹر پوکاک نے نکالا۔ اس نے تاریخ ابو الفداء کا لاطینی زبان میں ترجمہ کر کے مذکورہ بالا حدیث کا نہ صرف غلط ترجمہ پیش کیا بلکہ حدیث کی اصل عبارت کو بھی خراب کر کے رکھ دیا۔ جب سر سید احمد خان نے سن ۱۹۷۲ء میں آکسفورڈ سے شائع شدہ اس ترجمہ کو دیکھا اور مذکورہ عبارت و ترجمہ ان کی نظر سے گزرا تو انہوں نے اپنی کتاب میں اس کے لاطینی زبان کے مفہوم کا اردو ترجمہ درج کیا۔

چنانچہ سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

""تب حلیمہ کے خاوند نے کہا کہ مجھے بہت ڈر ہے کہ اس بچے نے اپنے کسی ساتھی سے دماغی بیماری کو لے لیا ہے اس لیے اس کو حلیمہ سے لے کر اس کی والدہ آمنہ کے پاس لے گیا"[13]

مذکورہ عربی عبارت "قد أصيب فالحقيه بأهله "کی بجائے"قد أصيب بالحقيه بأهله "لکھی ہے۔ عربی عبارت میں جو فعل یہاں "اصیب" استعمال ہوا ہے اس فعل مجہول کا کسی بھی ترکیب سے یہ ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس قسم کے مترجم کو جسے عربی زبان کے درست نقل کا سلیقہ بھی معلوم نہ ہو، اس کو قابل اعتناء ہی نہ سمجھا جاتا مگر افسوس صد افسوس کہ وہ ترجمہ آنے والے بعد کے مستشرقین نے خوب اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ ولیم میور نے پوکاک سے بھی بڑھ کر یہ حرکت کی کہ اپنی کتاب "Life of Mohammad" میں حاشیے پر لفظ اصیب کی بجائے امیب لکھا (یعنی صاد کی جگہ میم) اور اس کے معنی "Fit" یعنی عارضہ ہونے کے تحریر کیے۔[14] غضب یہ کہ ان کی یہ تحقیقات بعد کے مستشرقین کے لیے ماخذ و مرجع قرار پائیں۔[15]

اسی طرح ایک اور واقعہ کے بیان میں تحریف کی گئی۔ وہ یہ کہ ایک روایت کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ بادل آپؐ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت حلیمہ خوف میں مبتلا ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں ولیم میور کی منفی رائے یہ ہے کہ اگر اس روایت میں کچھ صداقت ہوتی تو غالباً سابقہ عارضہ کے یعنی صرع کے آثار کا عود مراد ہو گا۔[16]

مستشرقین کی تیسری دلیل جس سے وہ، آپؐ کو مرگی کا مریض قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ نزول وحی کے وقت آپؐ کی حالت و کیفیت تھی۔ یعنی جس انداز و حالت سے وہ الفاظ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلتے تھے اور جن کی تاثیر سے بچنے کے لیے کافر اپنے کانوں میں روئی ٹھونس دیا کرتے تھے اور جن کے اثرات سے یہود و نصاریٰ مسلسل چودہ صدیوں سے زائد وقت سے پریشان و سرگرداں اور متفکر چلے آرہے ہیں ان مستشرقین کے ہاں وہ حالت مرگی کے دوروں کی حالت ہے۔

اس سلسلہ میں مستشرقین کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ کفار مکہ نے آپؐ پر مجنون ہونے کا الزام لگایا تھا۔ لیکن ان کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ آپؐ پر اس الزام کو لگانے والوں نے خود اپنے عمل کے ذریعے اس الزام کی تردید کر دی تھی اور جس پیغمبر اسلام کو انہوں نے مجنون و ساحر جیسے القابات سے نوازا تھا بعد میں انہوں نے خود انہی کے دامن سے وابستہ ہونے کو اپنے لیے راہ نجات و فلاح سمجھا اور حالت کفر میں اسلام کے خلاف اپنی تمام تر جدوجہد کا ازالہ و کفارہ ادا کرتے ہوئے اسلام کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر پیش پیش رہے۔

مذکورہ بالا دلائل کو اگر منصفانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو مستشرقین کی کسی دلیل میں عقلی و منطقی لحاظ سے بھی کوئی جان نہیں ہے اور نہ ہی

مرگی کی مریض قرار پاتی ہیں تو کیا ان سب لوگوں کو بھی مرگی کا مریض قرار دیا جائے جن کے بارے میں بائبل میں ذکر ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو دیکھا تھا اور وہ ان سے ہم کلام ہوئے۔ اسی طرح یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سر پر بادل کا سایہ کناں ہونے کا تعلق صرع کین بیماری سے جوڑ دیا جائے۔

اسی طرح حالت وحی میں آپؐ پر رعب کی کیفیت کا طاری ہونا ایک قدرتی بات تھی کیوں کہ کلام خداوندی کوئی معمولی چیز نہیں ہے اور یہ بات بدیہی وعقلی طور پر قرین قیاس ہے کہ قلب انسانی پر جب بھی رب کریم کا کلام نازل ہوتا تو وہ رب کے جلال سے کانپنے لگتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کی تجلی کوہ طور پر پڑتے ساتھ ہی موسیٰ نے جب اس جانب دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مستشرقین نے ان کی اس کیفیت کو کبھی بھی مرگی قرار نہیں دیا۔ جب کہ آپ ﷺ تو حالت وحی میں نہ کبھی گرے اور نہ ہی کبھی آپؐ بے ہوش ہوئے۔

آپؐ پر وحی مختلف صورتوں میں نازل ہوا کرتی تھی جن میں سے سب سے مشکل ترین صورت آپ کو گھنٹی کی آواز کی طرح آواز سنائی دیتا تھا۔ ایسی سخت صورت حال میں شدید سردی کے موسم میں بھی آپؐ کی پیشانی مبارک پسینے سے شرابور ہو جاتی تھی اور اگر آپؐ اس دوران کسی اونٹنی پر سوار ہیں تو وہ اونٹنی بھی گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی تھی۔ تبھی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ دورانِ نزول وحی آپؐ کی ران مبارک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی تو زید رضی اللہ عنہ یہ محسوس کرنے لگے کہ شاید ان کی ران ٹوٹ جائے گی۔[17]

بعض مستشرقین نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مذکورہ بالا کیفیات کو دوروں کا نام دیا جائے[18]، جب کہ اس کیفیت کو آپؐ کے پیروکار آپؐ کے معجزات اور نزول وحی سے موسوم کرتے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے دورانِ حمل حضرت آمنہ کے تجربات کو مرگی کے دوروں کا نام دیا، اس کے بعد اس مرض کو موروثی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل کر کے یہ مذموم نتیجہ نکالا کہ جس بیماری میں آپؐ بچپن سے متاثر تھے وہ آپ کی جوانی اور چالیس سال عمر گزرنے کے بعد بھی جاری رہی اور آپؐ ان دوروں کو نزول وحی کی کیفیت قرار دیتے رہے اور آپ کے پیروکار بھی اس کیفیت کو نزول وحی سے تعبیر کرتے رہے[19]۔

چنانچہ ولیم میور، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حیرت انگیز واقعات کو جہاں مرگی کے دورے قرار دیتا ہے وہیں ان کا تعلق وہ نزول وحی سے جوڑ کر لکھتا ہے، جس کا اردو ترجمہ یوں بنتا ہے:

> "ان دوروں کو حلیمہ صرع کی قسم کے حملے سمجھ کر خوف میں مبتلا ہوگئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورانِ وحی کی کیفیتوں کو اس طرح محسوس کیا جیسے آپ پر کوئی حملہ آ رہا ہو، اور وہ ان مضطرب حالتوں اور بیہوشی کی کیفیتوں سے خوفزدہ ہو گئیں۔ یہ حالتیں اس بات کی غمازی کرتی تھیں کہ وحی کے نزول کے دوران نبی اکرم ﷺ کے جسم پر گہرے اثرات مرتب ہوتے تھے"[20]

ولیم میور (William Muir: 1819-1905) اور بعض دیگر مستشرقین نے رسول اللہ ﷺ کی وحی کی کیفیت کو سمجھنے میں کوتاہی کی اور اسے وجد، کشف یا مرگی جیسے مغالطوں سے تعبیر کیا۔ یہ خیالات نہ صرف تاریخی حقائق سے عاری ہیں بلکہ ان کی بنیاد غلط مفروضوں پر رکھی گئی ہے۔ جبکہ مستند اسلامی مصادر اور سیرت نگاری کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کیفیت اور وحی کا نزول ایک الوہی امر تھا جس کی گواہی خود آپ ﷺ کے زمانے کے مخالفین بھی دیتے تھے۔[21] وہ اپنی اس خود ساختہ کہانی کو مزید مفروضوں کی مدد سے یوں آگے بڑھاتا ہے:

At the moment of inspiration, ---- and he would fall to the

ground as in trance.[22]

"جب وحی کا نزول ہوتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے چینی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگتے تھے اور آپ اس طرح گر پڑتے جیسے کسی کی وجد کی حالت میں زمین پر گرنے کی کیفیت ہو"

نزولِ وحی کے وقت نبی اکرم ﷺ کی کیفیت کو بیان کرنے والی احادیث میں واضح اور تفصیلی ذکر موجود ہے۔ ان روایات کے مطابق، جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کے چہرے کے آثار میں ایک خاص تبدیلی محسوس کی جاتی اور آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا، حتیٰ کہ سردی کے موسم میں بھی پسینے کے قطرے واضح ہوتے تھے۔ یہ کیفیت وحی کی شدت اور عظمت کی دلیل تھی، جو براہِ راست اللہ کے کلام کو وصول کرنے کی روحانی اور جسمانی گہرائی کی عکاسی کرتی ہے۔

مستشرق ولیم میور اور بعض دیگر مغربی مصنفین نے ان واضح اور مستند روایات میں اپنی جانب سے غیر مصدقہ اضافے کر کے یہ دعویٰ کیا کہ نبی اکرم ﷺ وحی کے دوران اس طرح زمین پر گر جاتے تھے جیسے کوئی وجد یا کشف کی کیفیت میں ہو۔ یہ دعویٰ اسلامی احادیث و روایات سے ثابت نہیں بلکہ محض قیاس اور تعصب پر مبنی ہے۔ ان اضافوں کا مقصد نبی اکرم ﷺ کی وحی کی حقیقت کو مشکوک بنانا اور اسلامی تعلیمات کی عظمت کو کم کرنا تھا۔ یہ رویہ مستشرقین کی عمومی روش کی عکاسی کرتا ہے، جس میں وہ تاریخی حقائق کو مسخ کر کے اپنی مرضی کے غیر مستند اضافے کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی تاریخ اور سیرتِ طیبہ کے مستند مصادر میں ہر پہلو مکمل دیانت داری اور صداقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو ان بے بنیاد الزامات کی واضح تردید کرتے ہیں۔

جدید طبی ماہرین کی تحقیقات کے مطابق، مستشرقین کی جانب سے "مرگی" کے دعوے بھی سراسر غلط اور غیر علمی ہیں۔ وحی کا نزول ایک عظیم روحانی عمل تھا، جس کے اثرات نبی اکرم ﷺ کی جسمانی حالت پر بھی ظاہر ہوتے، مگر یہ علامات کسی بھی بیماری کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے براہِ راست پیغام وصول کرنے کے مظاہر تھے۔ یہ کیفیت نہ صرف آپ ﷺ کی نبوت کی سچائی کا ثبوت ہے بلکہ انسانی عقل و فہم سے ماورا ایک عظیم ذمہ داری کی علامت ہے

علامہ محمد فرید وجدی دائرہ معارف القرآن العشرون میں یوں رقمطراز ہیں:

"الصرع هوداء عصبى يعترى المصابين به فيفقدهم حسهم وشعورهم ويصرعهم الى الارض ويجعلهم يتخبطون في بدء حصوله يكون الجسم متوتراً والوجه شاحباً ثم تحدث ارتجافات شديدة وانطباق في الفكين وخروج زبد ممزوج بدم من الفم وتنضم اليدان احداهما على الأخرٰى وبعد مضى بضع دقائق يعود المريض الى حالته الاولىٰ فيميل للنوم فينام ثم يستيقظ كانه لم يطرء عليه شئ"[٢٣]

"مرگی اس اعصابی بیماری کو کہتے ہیں جو مریضوں کے حس اور شعور کو زائل کر دیتی ہے وہ زمین پر گرا دیئے جاتے ہیں اور بے مقصد ادھر ادھر پھرنے لگتے ہیں بیماری کے شروع میں جسم اکڑ جاتا اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے جب کہ جسم شدت سے کانپنا شروع ہو جاتا ہے۔ جبڑے ایک دوسرے سے مل کر منہ سے خون کی جھاگ آنا شروع ہو جاتی ہے اور ہاتھ آپس میں جڑ جاتے ہیں چند منٹ کے بعد مریض کی پہلے والی حالت لوٹ آتی ہے وہ نیند میں مبتلا ہو کر سو جاتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو اسے یوں لگتا ہے کہ گویا اسے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا"

جدید طبی تحقیق میں مرگی کی علامتیں درج ذیل شمار کی گئی ہیں:

"مرگی سے مراد سخت ذہنی بیماری ہے جس کی شناخت بار بار پڑنے والے دورے ہیں یہ دورے ذہنی خرابی کا باعث ہوتے ہیں مریض کی کیفیت کے بدلنے سے دورے بدلتے رہتے ہیں اور یہ دورے بے ہوشی، اعضاء جسم کے جھٹکوں، جذباتی شور و غوغا یا ذہنی خلل کے وقفوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں"24

مرگی کی درج بالا علامات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مرگی کے دورے کے بعد ابتداءً تو بندہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہتا اور اگر وہ کوئی الفاظ بولتا ہے تو کچھ پریشان اور غیر مربوط جملوں کے علاوہ نہیں بول سکتا مگر مستشرقین جس کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرگی کے دوروں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں یہ وہ کتاب ہے کہ جس کے خود مستشرقین نے سینکڑوں تراجم لکھے ہیں اور ان کو مغربی زبانوں میں شائع کروایا ہے۔

چنانچہ ان میں یورپ کے معروف شاعر گوئٹے(J W Goethe: 1734-1832) بھی ہے جس نے اسی مرگی کے الزام والے قرآن کو پڑھا اور اس کلام الٰہی نے اس کے دل و دماغ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس نے جرمنی اور لاطینی تراجم قرآنی کا مطالعہ کیا۔ بار بار پڑھنے کے بعد ان قرآنی آیات کا انتخاب کیا کہ جنہوں نے اپنی علمی اور ادبی رفعتوں اور بلاغت و فصاحت سے اس کو ورطہ حیرت میں مبتلا کیا۔ ۲۵

حیرت کی بات یہ ہے کہ ولیم میور (William Muir: 1819 –1905) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہاں مرگی کا الزام لگانے میں سرفہرست ہے مگر دوسرے مقام پر وہ اس بات کا معترف بھی ہے کہ آپؐ ہمیشہ ساری زندگی صحت مند رہے چنانچہ وہ کہتا ہے:

"He never but once had suffered from any serious illness".26

" کہ آپؐ ساری زندگی میں ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی کسی شدید بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے"

اس سے بڑی تضاد بیانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو ولیم میور آپؐ کو بچپن سے ہی مرگی کے مرض سے متاثر شدہ اور تئیس سال کے عرصہ پر محیط وحی کے نزول کے احوال و آثار کو مرگی کے دورے قرار دے رہا ہے اور دوسرے مقام پر خود ہی کہہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر صحت مند رہے۔ سوائے ایک دفعہ کے۔

"تریسٹھ سال کی عمر تک محمدؐ کی طاقت ان کی زندگی کے فرائض کی جسمانی اور روحانی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ آپؐ کے مرگی کے دوروں کے حوالے سے یونانیوں کی غیر معقول تہمت آپؐ کے لیے نفرت کے بجائے رحم کے احساسات پیدا کرے گی" 27

اسی طرح اس مرگی کے اعتراض کے حوالے سے جان ڈیون پورٹ (John Davenport: 1597-1670) لکھتا ہے:

" آپؐ کے حوالے سے تواتر کے ساتھ مرگی کے عارضے کے لاحق ہونے کا بیان، یونانیوں کی ایک ذلت آمیز اختراع ہے انہوں نے اس عارضہ کے لحوق کو ایک مذہب کے بانی کے ساتھ بایں وجہ منسوب کیا تھا کہ ان کے اخلاقی کردار و چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کے لیے طعنہ زنی اور نفرت کا باعث ہو"۲۸

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نہ کوئی ایسا تاریخی ثبوت ہے جس کے تحت آپؐ کو مرگی کا مریض قرار دیا جا سکے اور نہ ہی سائنسی و طبی لحاظ سے ثابت شدہ علامات مرض اس قدر عظیم الشان ہستی کے شایان شان ہیں بلکہ آپؐ کی بہترین صحت، مختلف شعبہ ہائے زندگی میں آپؐ کی مدبرانہ اور حکمت عملی سے بھرپور مساعی، نہایت کٹھن ترین حالات اور مشکلات میں آپؐ کا صبر و استقامت اور عظیم کارہائے نمایاں جو آپؐ کی حیات طیبہ کا روشن پہلو ہیں، آپؐ کو مرگی کا مریض قرار دینے والوں کی عقلوں پر سوالیہ نشان مرتب کر رہے ہیں جو بغض و عناد اور مذہبی تعصب و حسد کے علاوہ کچھ نہیں۔

جرمن مستشرق تھیوڈور نولڈیکے(Theodor Noldeke: 1836-1930) ، جسے جرمن مستشرقین کا شیخ کہا جاتا ہے، نے اپنی مشہور کتاب *The History of Quran* میں نزولِ وحی کو نبی اکرم ﷺ کی ذاتی کیفیت اور تخلیق قرار دیا۔ اس کے نزدیک قرآن حکیم وحیِ الٰہی نہیں بلکہ آپؐ کی ذاتی تصنیف تھی، جو ایک ناقابلِ کنٹرول ہیجانی کیفیت (*Uncontrollable Excitement*) میں صادر ہوتی تھی۔ نولڈیکے کا دعویٰ تھا کہ غارِ حرا کی ریاضتوں اور یہودیت وعیسائیت کے تصورات سے واقفیت نے آپؐ کے ذہن کو جِلا بخشی۔ اس کے مطابق، نبی اکرم ﷺ کا کلام شعراء کی طرح آپؐ کی ذات سے صادر ہوتا تھا، لیکن آپؐ اپنی زاہدانہ طبیعت اور بھولپن کی وجہ سے اسے وحیِ الٰہی سمجھ بیٹھے۔ یہ نظریہ وحی کی حقیقت اور قرآن کی الٰہی حیثیت کو چیلنج کرنے کی ناکام کوشش ہے، جسے خود قرآن اور مستند اسلامی مصادر کے دلائل سختی سے رد کرتے ہیں۔ نولڈیکے کے یہ اعتراضات اس کے محدود فہم اور تعصب کا نتیجہ ہیں، جو مستشرقین کی عمومی روش کا حصہ ہیں۔[۲۹]

اس کے اس اعتراض کا اگر جائزہ لیا جائے تو قرآن حکیم میں بھی اور اس سے ہٹ کر بھی بہت سے دلائل وبراہین ایسے ہیں جو اس کے ان نظریات کو باطل قرار دینے کے لیے کافی ہیں۔

چنانچہ وحی کا باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انفعالی(Passive) خصوصیات واحوال تھے اور اگر وحی کا مصدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات ہوتی تو جب منافقین نے سیدہ عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپؐ اپنی شدید خواہش کے باوجود کہ جلد از جلد ان سے یہ الزام صاف ہو جائے اور آپؐ کی محبوب ترین اہلیہ برأت اختیار کر سکیں۔ مگر چونکہ آپؐ اس معاملہ میں بے بس تھے اور آپؐ کے اختیار سے باہر کی بات تھی جس کے باعث آیات برأت کے نزول میں کم و بیش ایک ماہ لگ گیا اور آپؐ تب تک شدید ذہنی اذیت اور الجھن کا شکار رہے۔[۳۰]

نبی اکرم ﷺ اور وحی کا انتظار: الٰہی کلام کی صداقت کی دلیل

کفارِ مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے بعض اہم سوالات کیے، جیسے کہ اصحابِ کہف کا قصہ، سکندر ذوالقرنین کی حقیقت اور روح کے بارے میں معلومات۔ ان سوالات کے جواب میں آپ ﷺ نے فوری کوئی وضاحت پیش نہیں کی بلکہ وحی کے نزول کا انتظار فرمایا۔ یہ تاخیر مخالفین کے لیے طعن و تشنیع کا موقع بن گئی، لیکن اس واقعے نے ایک اہم حقیقت کو واضح کیا: اگر وحی نبی اکرم ﷺ کے اپنے اختیار میں ہوتی تو ان سوالات کے جوابات فوراً دیے جا سکتے تھے۔

وحی کے انتظار کا یہ عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قرآن مجید آپ ﷺ کی ذاتی تصنیف نہیں بلکہ ایک اعلیٰ اور خارجی مصدر، یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ کلام ہے۔ مزید برآں، حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر انسانی شکل میں بھی آپ ﷺ کے پاس آتے تھے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی اور کو غلطی سے جبرئیل سمجھ لیا ہو۔ یہ حقیقت اس امر کو مزید مضبوط کرتی ہے کہ وحی کی نوعیت انسانی سوچ یا فہم سے ماورا تھی اور براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وابستہ تھی۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب نبی اکرم ﷺ کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خالص کلام ہے، جو آسمان سے نازل کیا گیا اور جس پر نبی اکرم ﷺ کو مکمل انحصار اور انتظار کرنا پڑتا تھا۔ یہ تمام پہلو وحی کی حقیقت کو الٰہی امر ثابت کرتے ہیں، جس میں کسی انسانی تخیل یا ذہنی ساخت کا عمل دخل نہیں۔[۳۱]

مستشرق ولیم کلیر ٹسڈال (William St. Clair Tisdall: 1859-1928) کا تعلق انگلینڈ سے تھا اور وہ عربی سمیت متعدد مشرقی زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ وہ چرچ آف انگلینڈ کے تحت ایرانی مشنری سوسائٹی کا سیکرٹری بھی رہا۔ اسلامی تعلیمات پر تنقید کے حوالے سے اسے

خاصی شہرت حاصل ہوئی، اور قرآن مجید پر اس کی دو معروف کتابیں 1905) "*Original Sources of the Quran*"، نیویارک) اور 1901) "*The Sources of Islam*"، اسکاٹ لینڈ) ہیں۔

اپنی تحریروں میں ٹسڈال نے یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تصنیف ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر قرآن مجید کی سورتوں کو ان کے نزول کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم نبی کریم ﷺ کی زندگی کے مختلف حالات اور پیش آنے والے واقعات سے متاثر ہے۔ ٹسڈال نے مزید یہ دعویٰ کیا کہ نبی اکرم ﷺ حالات کے مطابق اپنی ضرورتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آیات پیش کرتے اور انہیں وحی الٰہی قرار دیتے۔ ٹسڈال کے یہ خیالات، اگرچہ مستشرقانہ تنقید کا حصہ ہیں، لیکن اسلامی روایت میں ان الزامات کا ہمیشہ مدلل اور علمی جواب دیا گیا ہے۔ علماء نے یہ واضح کیا ہے کہ قرآن مجید کا نزول مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے حالات یا ضروریات کے تحت نہیں بلکہ ربانی حکمت کے تحت نازل ہوتا رہا۔ [۳۲]

ٹسڈال کا یہ اعتراض سراسر بے بنیاد اور گمراہ کن ہے۔ قرآن مجید کی آیات کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی سے تعلق اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور امت کی رہنمائی کے لیے وحی نازل فرماتے تھے۔ حالات اور موقع کی مناسبت سے وحی کا نزول فطری امر ہے، کیونکہ ایک ہدایت یافتہ کتاب کا بنیادی مقصد صرف مستقبل کی رہنمائی نہیں بلکہ موجودہ مسائل کا حل پیش کرنا بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی کتاب میں موجودہ حالات کے مسائل کا جواب نہ ہو تو وہ ناقص سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے مسائل سے خطاب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کتاب کسی انسانی تصنیف کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

ایک اور مستشرق آرتھر جیفری (Arthur Jeffery: 1892-1959)، جو کینیڈا سے تعلق رکھتا تھا اور کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں سامی زبانوں کا پروفیسر تھا، نے قرآن حکیم پر تنقید کی۔ اس نے اپنی کتاب *Material for the History of the Text of the Quran* میں دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید مکمل طور پر تحریری شکل میں موجود نہیں تھا۔ اس کے اس مؤقف کی بنیاد ایک مبہم روایت پر ہے، جس کے مطابق قرآن مختلف صحابہ کے پاس منتشر صورت میں موجود تھا اور اسے بعد میں یکجا کیا گیا۔

یہ اعتراض بھی حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل طور پر حفظ کیا جا چکا تھا اور صحابہ کے درمیان زبانی اور جزوی تحریری شکل میں محفوظ تھا۔ قرآن کے متن کی حفاظت کے حوالے سے جو اہتمام کیا گیا، وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ محض انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ شدہ کتاب ہے۔ [۳۳]

"قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يكن القرآن جمع في شئ"

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت قرآن حکیم کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا" [۳۴]

قرآن مجید کی کتابت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی املاء کا جائزہ

مستشرق آرتھر جیفری کا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں کتابی صورت میں موجود نہیں تھا، علمی طور پر غلط اور ناقابل قبول ہے۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ قرآن مجید کو حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں لکھا اور محفوظ کیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر آیات مختلف صحیفوں پر لکھی جاتی تھیں اور صحابہ کرامؓ جیسے زید بن ثابت، ابی بن کعب اور معاذ بن جبلؓ نے اسے جمع بھی کیا۔ اسی طرح آرتھر جیفری، رچرڈ بیل، اور چارلس ٹوری کا یہ دعویٰ کہ نبی اکرم ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، تاریخی شواہد سے ثابت نہیں اور محض قیاس

آرائیوں پر مبنی ہے۔ منٹگمری واٹ کا یہ موقف کہ "امی" کا مطلب "غیر یہودی" ہے، عربی لغت اور اسلامی روایات کے برخلاف ہے۔ "امی" سے مراد نبی اکرم ﷺ کا دنیاوی تعلیم سے بے نیاز ہونا اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے وحی کے ذریعے تعلیم پانا ہے۔ یہ مستشرقین کے نظریات قرآن حکیم اور نبوت کی اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی "امی" حیثیت آپ کی نبوت کی صداقت کو واضح کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم اور وحی کی حفاظت اللہ کے حکم اور نگرانی میں ہوئی، اور صحابہ کرامؓ نے اسے نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی محفوظ کر لیا تھا، [۳۵]

تاہم خود باری تعالیٰ قرآن حکیم میں جو ارشاد فرماتے ہیں، اس سے اس طرح کی آراء کی نفی واضح ہے:

"وَمَا كُنتَ تَتْلُواْ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَۖ إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ" [۳۶]

"اور آپ اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور اگر یوں ہوتا تو قرآن کا انکار کرنے والے ضرور شک میں پڑ جاتے"

فرانسیسی مستشرق ریجس بلاشیر (۱۹۰۰-۱۹۷۳) نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تحریری شکل میں محفوظ نہیں کیا گیا تھا، اور ان کے مطابق نزولِ وحی کے دوران نبی اکرم ﷺ پر شدید خوف طاری رہتا تھا، جس کے باعث آپ ﷺ سے وحی لکھوانا ممکن نہ تھا۔ تاہم، یہ دعویٰ تاریخی حقیقت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کے لیے مکمل اہتمام کیا۔ آپ ﷺ نے قرآن کی کتابت کے لیے منتخب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذمہ داری سونپی اور یادداشت کے ذریعے بھی قرآن کو محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ نے ابتدا میں حدیث کی کتابت سے اس لیے منع فرمایا تاکہ تمام توجہ قرآن کی حفاظت پر مرکوز ہو اور اس کی آیات کا کسی قسم کا اختلاط نہ ہو۔ اس حکمت عملی کی بدولت قرآن مجید آج تک اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے، اور اس کی حفاظت کا انتظام قیامت تک کے لیے مثالی ہے۔ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں کہ:

(لاتكتبوا عنى غير القرآن ومن كتب عنى غير القرآن فليمحه وحدثوا عنى ولاحرج)) [۳۷]

متعصب مستشرق ریجس بلاشیر نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو کلیساؤں میں بیٹھے راہبوں سے حاصل کیا، اور اس میں بیان کیے گئے قصے جزیرۂ عرب کے مشہور افسانوں سے ماخوذ ہیں۔ یہ دعوے نہ تو تاریخی حقائق سے ہم آہنگ ہیں، اور نہ ہی مستند تحقیق سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ خیالات دراصل قریش مکہ کے جھوٹے الزامات کی عکاسی کرتے ہیں، جن کی قرآن مجید نے خود تردید کی ہے اور ان کے اقوال کا ذکر کر کے ان کی غلط بیانیوں کو بے نقاب کیا ہے

وحی اور قرآن کے حوالے سے کلامی اور عقلی دلائل سے تنقید کرنے والوں میں مستشرقین کے نمایاں ناموں میں ایک اور اہم شخصیت منٹگمری واٹ ہے۔ وہ اپنے مخصوص طرز استدلال سے ایک غیر فطری ماحول پیدا کرتے ہوئے قرآن وحدیث جیسے مستند اور محکم مصادر کو محض مفروضوں اور امکانات کی بنیاد پر تنقیص کا نشانہ بناتا ہے۔ اس کی کوشش یہی نظر آتی ہے کہ وحی کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جائے، لیکن اس کا یہ طرزِ عمل علمی دیانت اور تحقیق کے مسلمہ اصولوں سے عاری دکھائی دیتا ہے۔ ایسے خیالات کا مقصد صرف اسلام کی بنیادی تعلیمات پر سوال اٹھانا ہے، لیکن قرآن مجید اپنی معجزانہ فصاحت، تاریخی صداقت، اور بلند اخلاقی پیغام کے ذریعے ان تمام بے بنیاد الزامات کو رد کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

"یعنی جو خیالات انسان خارج سے آتے ہوئے دیکھتا ہے وہ حقیقتاً اس کے ذاتی لاشعور سے پیدا ہوتے ہیں" [38]

مستشرقین کے ذہنی رجحانات اور ان کے بے بنیاد نظریات اکثر وحی و نبوت کے بارے میں عجیب و غریب خیالات کو جنم دیتے ہیں۔ ان میں ایک خیال یہ بھی شامل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سالہا سال کے ماحولیاتی اثرات نے آپ کے جذبات کو اس حد تک پختہ کر دیا کہ یہی جذبات وحی کی صورت میں ظاہر ہونے لگے۔ ایسے نظریات حقیقت میں اسلامی تعلیمات اور قرآن و حدیث میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی منظم کوششوں کا حصہ ہیں۔ مستشرقین بلا دلیل دعوے کرنے اور محض خیالی مفروضات پیش کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے۔

رچرڈ بیل (۱۸۷۶-۱۹۵۲) کا یہ دعویٰ ہے کہ "قرآن" اور "الکتاب" دو الگ مفاہیم رکھتے ہیں۔ اس کے مطابق، نبوت کے ابتدائی دور میں نبی اکرم ﷺ یہ سمجھتے تھے کہ ان پر نازل ہونے والی وحی قرآن کی صورت میں مرتب ہو گی۔ تاہم، مدینہ منورہ کے دور میں آپ ﷺ نے "الکتاب" کو ترتیب دینے کا تصور اپنایا اور اسے امت کے سامنے وحی کے طور پر پیش کرنا اپنا ذمہ داری سمجھا۔

یہ نظریہ، اگرچہ مستشرقین کی تشریحات کا حصہ ہے، لیکن اسلامی تعلیمات اور مستند تاریخی شواہد سے مطابقت نہیں رکھتا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مستشرقین کے یہ نظریات صرف ان کی ذہنی اختراع ہیں اور تاریخی حقائق یا تحقیق کی کسی بنیاد پر قائم نہیں ہیں۔ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ انہی خیالات کا اثر سر سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) کے افکار پر بھی دکھائی دیتا ہے۔ سر سید، جنہوں نے ولیم میور کی سیرت پر کتاب کا مدلل جواب *خطباتِ احمدیہ* میں دیا اور اسلامی تعلیمات کے دفاع کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو سعادت سمجھا، اپنی *تفسیر القرآن* میں وحی اور نبوت کے بارے میں ایسے خیالات پیش کرتے ہیں جو مستشرقین کے نظریات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ سر سید نے اپنے علم کلام سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کے تمام احکامات عقل کے موافق ہیں اور قرآن حکیم جدید تہذیب اور تمدن سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے نزدیک قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی اور کلام ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرائیل کے ذریعے نازل ہوا۔ تاہم، ان کا یہ نظریہ کہ نبوت ایک فطری صفت ہے جو انسان کے اندر دیگر صفات کی طرح موجود ہوتی ہے، ایک نیا زاویہ پیش کرتا ہے۔ ان کے مطابق نبوت کی یہ فطری صفت مختلف ناموں سے جانی جاتی ہے، جیسے ہدایتِ کامل کی فطرت، ملکۂ نبوت، یا جبرائیل اعظم۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور نبی کے درمیان کوئی خارجی پیغامبر یا قاصد نہیں ہوتا، بلکہ نبی کا دل خود وہ آئینہ ہے جس میں انواراتِ الٰہی منعکس ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کا قلب ایک ایسا مجسم وجود ہے جو کلام الٰہی کی آوازوں کو ظاہر کرتا ہے، اور ایسا کان ہے جو اللہ کا بے حرف و صوت کلام سنتا ہے۔ ایسے خیالات اسلامی تعلیمات کی اصل روح سے فاصلے کا مظہر ہیں اور مستشرقین کے اثرات کی جھلک پیش کرتے ہیں۔ تاہم، ان نظریات کو اسلامی عقائد کی مستند بنیادوں پر پرکھا جائے تو ان میں تضادات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ قرآن اور وحی کا حقیقی تصور وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم فرمایا، اور جو عقل و فطرت کے ساتھ ساتھ الہامی صداقت پر مبنی ہے۔[۳۹]

ان کے خیال میں، پیغمبر کے قلب سے وحی فوارہ کی طرح اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ اسی کا عکس قلب پر پڑتا ہے جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے۔ اس کو بلواتا کوئی نہیں خود بولتا ہے اور خود الفاظ سے اس مفہوم کو ادا کرتا ہے

﴿"وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلۡهَوَىٰٓ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ﴾

وحی ایک ایسی کیفیت ہے جو نبی کے قلب پر ان کی فطری صفتِ نبوت کے باعث مبدأ فیاض (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے مرتب کی جاتی ہے۔ ان کے مطابق، یہ ایک نقش قلبی ہوتا ہے جو کبھی کلام کی صورت میں سنائی دیتا ہے اور کبھی کسی دوسری شخصیت کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ تاہم، یہ سب دراصل نبی کی اپنی ذات کا پرتو ہوتا ہے، جہاں نہ کوئی حقیقی آواز ہوتی ہے اور نہ کوئی خارجی بولنے والا۔ یہ کیفیت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ نبی اپنا کلام اس انداز میں سنتے ہیں جیسے کوئی دوسرا شخص ان سے گفتگو کر رہا ہو، اور خود کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ کسی اور کے

سامنے کھڑے ہوں۔ سر سید کے نزدیک، انسانی صفات کی طرح صفتِ نبوت بھی کسی خاص معاملے کے پیش آنے پر فعال ہوتی ہے اور اپنا عمل شروع کرتی ہے۔ یوں وحی در حقیقت نبی کے قلب پر ظاہر ہونے والی وہ روشنی ہے جو انہیں ہدایت اور رہنمائی عطا کرتی ہے۔[40]

ذکر کردہ خیالات انہی مستشرقین کے مؤقف کے قریب ہیں۔ کہ جن کے مطابق وحی و الہام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی کیفیت کا نام ہے جو کہ (معاذ اللہ) غلطی سے نبیؐ نے وحی سمجھ لی۔ جب کہ وہ جنون و مرگی کے عالم کے وارد شدہ خیالات ہوا کرتے تھے۔ مستشرقین جو خود دیگر انبیاء کے حوالے سے نزول وحی کا مؤقف رکھتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کے حوالے سے انہوں نے حد درجہ ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی سے کلام لیتے ہوئے آپؐ کو مرگی زدہ (مصروع) قرار دیا۔[41]

حاصلِ بحث:

اسلام کے نقطہ نظر سے وحی کسی نبی کی داخلی کیفیت یا فطری صفت نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے یا براہ راست نازل ہوتا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اور عقل اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ وحی ایک ایسی رہنمائی ہے جس کا ادراک صرف انبیاء کو ہوتا ہے اور عقل انسانی اس تک خود سے پہنچنے سے قاصر ہے۔ وحی کا مشاہدہ بھی صرف انبیاء کے لیے ممکن ہے، اس لیے اس کی حقیقی کیفیت کو کوئی دوسرا انہیں سمجھ سکتا۔

آج کے دور میں مغربی افکار اور جدیدیت سے متاثر لوگ وحی کو غیر معمولی اور اجنبی تصور کرتے ہیں۔ کچھ اس کا انکار کر کے اسے قصے کہانیاں کہتے ہیں، جبکہ بعض لوگ سائنسی ترقی کے زمانے میں اس پر بات کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ مستشرقین اور جدیدیت پسندوں کی آراء نے ان شکوک کو مزید بڑھا دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کا ایسا عمل ہے جس میں وہ اپنے کسی نبی کے قلب پر اپنا پیغام القاء کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس میں کون سی عقلی دشواری ہے؟ اگر ایک انسان دوسرے کے ذہن کو قابو کر کے اس میں کوئی خیال ڈال سکتا ہے، جیسے عملِ تنویم (Hypnosis) میں ہوتا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ، جو سب قدرتوں کا مالک ہے، انسانیت کی رہنمائی کے لیے کسی نبی کے قلب کو قابو میں کر کے اپنا کلام نازل نہیں کر سکتا؟ جب انسان کا ایسا محدود تصرف ممکن ہے، تو اللہ تعالیٰ کا یہ عمل کیوں ممکن نہ ہو؟ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ وحی کے بارے میں تمام جدید عقلی شکوک و شبہات بے بنیاد ہیں۔ وحی کا ماننا ایمان اور عقل دونوں کے لیے ایک فطری بات ہے، جو انسانیت کی ہدایت اور فلاح کا ذریعہ ہے۔

حوالہ جات:

[1] اعینی، بدرالدین، محمود بن احمد، عمدة القاری، دار الفکر، بیروت، س ن، ۱\۱۴

[2] الزبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس، مطبوعہ کویت، ۱۳۸۹ھ بمطابق ۱۹۴۹ء، ۱۰\۳۸۵

[3] الأعرجی، ستار، الوحی ودلالتہ فی القرآن الکریم والفکر الأسلامی، دار الکتب العلمیة بیروت، ۱۴۲۱ھ، ص ۱۴

[4] الأصفهانی، راغب، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، مکتبة نزار مصطفی الباز، ص ۵۱۵

[5] الزرقانی، عبدالعظیم، شیخ، مناهل العرفان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱\۶۳

[6] المناوی، عبد الرؤف، فیض القدیر شرح جامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفة، بیروت، لبنان ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۲ء، ۲\۴۵۰-۴۵۱

[7] السہیلی، ابو القاسم، الروض الأنف، دار احیاء التراث العربي، بیروت، ۱\۱۵۳-۱۵۴

[8] العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، دار العرفة، بیروت، ۲۰۰۵ء، ۱\۴۰

[9] الجوزی، ابن القیم، حافظ، زاد المعاد فی هدی خیر العباد، مطبوعہ مؤسسة الرسالة، بیروت، مئی ۲۰۱۵، ۱\۴۰-۴۱

[10] عرجون، محمد الصادق، محمد رسول اللہ منہج ورسالۃ، مطبوعہ دار القلم، کویت، ۲۰۱۷ء، ص ۱۴۳

[11] محمد رضا، محمد رسول اللہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء ص ۲۵

[12] محمد رضا، محمد رسول اللہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء ص ۲۵

[13] خان، سر سید احمد، سیرت محمدی، مکتبہ الکوثر کراچی، س ن، ص ۲۳۰

[14] خان، سر سید احمد، سیرت محمدی، ص ۲۳۱، ۲۳۰

[15] محمد رضا، محمد رسول اللہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء ص ۲۵

[16] أیضا، ص ۲۳۰

[17] الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاؤ النبیؐ، مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹\۲

[18] أیضا: ۲/ ۲۰۰

[19] أیضا: ۲/ ۲۰۰

[20] William Miur, Muhammad and Islam, Religion traced society, London, page : 22

[21] أیضا، ص ۲۴

[22] ایضاً، ص ۲۴

[23] وجدی، محمد فرید، دائرہ معارف القرآن العشرون، مکتبہ علمیہ جدیدہ بیروت، ۴۶۸\۵

[24] فنک اینڈ ویگنلز نیو انسائیکلوپیڈیا، فنک اینڈ ویگنلز پبلیشرز امریکہ ۹، ۱۹۹۵\۳۲۰

[25] زکریا، ہاشم زکریا، المستشرقون والاسلام، المجلس الاعلی للشؤن الاسلامیہ ۱۹۶۵ء، ص ۱۸۲، ۱۸۱

[26] William Miur, Muhammad and Islam, page : 24

[27] Edward Gibbon, The Decline and fall of the Roman Empire, 1976,270\5

[28] Devan pout jone ، Apology for Muhammad and Quran Dray & Sons London, page:246

[29] Theodore Noldeke , The Quran: An Introductory Essay, USA, Interdisciplinary Biblical Research Institute, 1992, Page:5

[30] Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, UK: Oxford University Press.1960, Page:52-53

[31] ایضا

[32] ایضا

[33] ایضا

[34] Arthur Jeffery, Material for the History of the text iof the Quran, The Old Codices, UK: E.J. Brill,1937, Page:5

[35] Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, UK: Oxford University Press.1960, Page:52-53

[36] سورۃ العنکبوت: ۴۸

[37] الجامع الصحیح،،، ۲۳\۱

[38] Watt Montgomery, Muhammad at Mecca, Page:80

[39] خان، سر سید احمد، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر، لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۵ء، ص ۵۲۵

[40] ایضا

[41] قادیانی، غلام احمد، مرزا، تفسیر سورۃ الفاتحہ، ربوہ، دار المصنفین، ص ۲۶، ۲۵